ماہنامہ

دسمبر 2022ء

سبق پھر پڑھ

لاہور

بیاد

بابائے خلافت، چودھری رحمت علی مرحوم رحمۃ اللہ علیہ

مدیرِ مسئول

ال عمران چوہدری

دارالسّلام

تمام مسلم ممالک کو ملا کر کُرۂ ارض پر معرضِ وجود میں آنے والی عظیم تر اسلامی مملکتِ واحدہ کا نام

تحریک عظمت اسلام

لٹریچر دستیاب ہے (بالکل فری)

آپ اپنی تعلیم، پتہ اور دنیا میں دینِ حق کو سربلند کرنے میں آپ کی تڑپ کے متعلق ایک مختصر جملہ بھیج کر درج ذیل لٹریچر مفت حاصل کر سکتے ہیں۔ خرچہ ڈاک بھی بذمہ ادارہ ہوگا۔

نام	صفحات
1- اسلام پر کیا گزری	16
2- نظامِ خلافت ہی کیوں؟	16
3- ہماری سمت درست نہیں	16
4- خلافت، فیوض و برکات	08
5- ہمارا تعارف اور ہدف	04

نوٹ:

1- ان پمفلٹس کا صرف ایک سیٹ منگوا سکتے ہیں۔
2- پتہ صاف ستھرا اور واضح لکھیں تاکہ ڈاک کا مسئلہ نہ ہو۔
3- خود بغور پڑھیں اور آگے کسی دوسرے کے حوالے کریں۔
4- طلبا و طالبات کو ترجیح دی جائے گی۔

ملنے کا پتہ: دارالسلام (4 - B / 29) واپڈا ٹاؤن لاہور موبائل: 0300 - 8425428

منزل سے آگے بڑھ کر منزل تلاش کر — مل جائے تجھ کو دریا تو سمندر تلاش کر
سجدوں سے تیرے کیا ہوا صدیاں گزر گئیں — دنیا تیری بدل دے وہ سجدہ تلاش کر

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

بَلِّغۡ

مَآ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ

مُدیر

چودھری رحمت علی مرحوم بابائے خلافت

نوٹ

1۔ عطیات وواجبات بینک الحبیب لمیٹڈ کی برانچ واپڈا ٹاؤن، لاہور کے اکاؤنٹ نمبر 4-01-101 0040-0081-000 میں جمع کروائیں۔

2۔ ''سبق پھر پڑھ'' کی مطلوبہ کاپیاں خرید کر آپ اپنے ہاں مفت یا قیمتاً تقسیم کر کے اشاعتِ دین کے فرضِ منصبی سے عہدہ براء ہو سکتے ہیں۔

3۔ ادارہ کا مضمون نگار سے کلی طور پر اتفاق ضروری نہیں۔

زرِ تعاون

فی شمارہ :-/30 روپے
سالانہ :-/300 روپے

بیرونِ پاکستان منگوانے کے خواہشمند حضرات علیحدہ رابطہ کریں۔

اے اللہ! ہمیں وہی کام کرنے کی توفیق عطا فرما جو مسلمانانِ عالم کو دنیا میں بالا کر دیں، جو تیرے دین کو غالب کر دیں

سبقِ پھر پڑھ

ماہنامہ لاہور۔پاکستان

جلد:30 شمارہ 12 رجب 1444ھ دسمبر 2022ء

اس شمارے میں

☆ اداریہ: خلافتِ ارضی (حصہ دوم)----------04
☆ الحمدللہ رب العالمین----------22

مقامِ اشاعت

چودھری ال عمران پبلشر نے میٹرو پرنٹرز سے چھپوا کر دارالسلام، واپڈا ٹاؤن، لاہور سے شائع کیا

CPL NO. 91

CPL NO. 91

خلافت' ہمارے جملہ مسائل کا حل

(یہ تحریر چودھری رحمت علی مرحوم' بابائے خلافت' کی تصنیف کردہ کتاب ''خلافت' ہمارے جملہ مسائل کا حل'' سے لی گئی ہے۔ کتاب چونکہ تقریباً 125 صفحات پر مشتمل ہے اور ایک انتہائی قیمتی تحریر ہے لہٰذا اس کو مرحلہ وار ماہنامہ ''سبق پھر پڑھ'' میں شائع کیا جا رہا ہے۔ ملاحظہ ہو قسط نمبر 5)

خلافتِ ارضی

بقیہ / باب سوم..... چودھری رحمت علی مرحوم

اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس نظام کی اٹھان اکثریت کے ووٹوں پر ہوگی اس میں اکثر و بیشتر ایسے لوگ آگے آئیں گے جو اور کچھ ہوں تو ہوں' دین کی ابجد سے ناواقف ہوں گے اور جو شخص کسی نظام اور دین سے ہی ناواقف ہو اسے حق نہیں پہنچتا کہ ایسے نظام کی قیادت کرے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے طریقِ انتخاب کو ان قدسیوں نے بھی نہ اپنایا جنہیں تاریخ صحابہؓ سے یاد کرتی ہے۔ سقیفہ بنی ساعدہ کے اجتماع پر نظر دوڑائیں۔ یہاں خلافت کی ذمہ داری حضرت ابوبکرؓ کے کندھوں پر ڈالی گئی۔ کیا انہوں نے خود کو اس عظیم منصب کے لئے پیش کیا؟ کیا امت کے ایک ایک فرد نے ان سے بیعت کی؟ عملاً جو ہوا وہ یہ کہ خود حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خلیفہ کے لئے حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ یا حضرت عمرؓ میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کی تجویز پیش کی لیکن موجود صحابہؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو ہی اس منصب کے لئے مناسب گردانا۔ پھر اس چھوٹے سے احاطے میں پوری امت کے بالغ حضرات جمع نہیں تھے' صرف چند صحابہؓ تھے۔ بعد میں عامۃ الناس سے بھی بیعت لی گئی لیکن وہ بھی اہل حل وعقد سے' امت کے ایک ایک فرد سے نہیں۔ خلیفہ ثانی کا انتخاب بھی کچھ انہی خطوط پر ہوا۔ حقیقت میں تو ان کا انتخاب اسی وقت ہو گیا تھا جب سقیفہ بنی ساعدہ میں ان کی

اہلیتوں اور اسلام کے لئے خدمات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ نے ان کا نام تجویز کیا تھا۔ یعنی امت کی نگاہِ انتخاب حضرت ابوبکرؓ پر پڑی تو امت کے اعتماد پر پورا اترے ہوئے ابوبکرؓ کی عمرؓ پر۔ یعنی یہ وہی رائے تھی جسے حضرت ابوبکرؓ نے اپنی رحلت سے معاً پہلے تحریراً دہرایا۔ تاہم یہ کوئی فیصلہ نہیں تھا۔ محض تجویز تھی اور وہ بھی اس وقت موجود صحابہؓ کے مشورے سے۔ حضرت ابوبکرؓ کی رحلت کے بعد اس تجویز کی تصدیق و تائید بذریعہ بیعت ہوئی لیکن جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا امت کے اہل حل وعقد سے ہی' ایک ایک فرد سے نہیں۔ اس کے بعد خلیفۂ سوم کا انتخاب عمل میں آیا۔ یہ چناؤ دورِ فاروقی کے اختتام پر ہوا اور جس طرح دوسرے انتظامی امور میں اس دور کو نظیر مانا جاتا ہے دراصل اس وقت کے اپنائے ہوئے طریقِ انتخاب کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے امت کے لئے قابلِ تقلید طریقہ سمجھا جانا چاہیے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ دورِ نبوت تو ایک انقلابی دور تھا جس نے بطریقِ احسن ہوا کا رخ ادھر سے ادھر پھیر دیا۔ دورِ خلیفۂ ثانی مختصر بھی تھا اور سازشوں کو دبانے میں مصروف و مشغول بھی بالفاظِ دیگر قرآن وسنت کا دیا ہوا نظام مستحکم ہوا تو دورِ فاروقی میں۔ بنابریں ہم خلیفۂ ثالث کے انتخاب کو' جو امت کے لئے تا قیامت نظیر کی حیثیت رکھتا ہے' قدرے تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

زخموں کی وجہ سے عمر فاروقؓ کی طبیعت جب کافی دگرگوں ہوگئی تو آپ کو اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو تجویز کرنے کے لئے کہا گیا۔ آپ نے فرمایا اگر ابوعبیدہ بن جراحؓ زندہ ہوتے تو میں انہی کا نام تجویز کرتا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ''امین الامت'' کے نام سے پکارا تھا (حقیقت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سقیفہ بنی ساعدہ میں جن دو اشخاص کے نام بطورِ خلیفہ تجویز کئے تھے ان میں بھی ایک حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ ہی تھے۔) یہ بھی فرمایا کہ اگر حذیفہؓ کا آزاد کردہ غلام سالمؓ آج زندہ ہوتا تو عمرؓ اسے ہی تجویز کرتا کیونکہ نبی اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ سالم اللہ سے بہت محبت کرنے والا ہے۔ اسی اثناء میں کسی نے تجویز پیش کی کہ آپ اپنے بیٹے عبداللہؓ ہی کو مقرر کر دیں' یہ بات آپ کو بہت ناگوار گزری۔ چنانچہ فرمایا:

''اس کا مجھے وہم تک نہیں ہوا۔ میں مانتا ہوں کہ حضرت ابوبکرؓ جو مجھ سے بہتر تھے' نے اپنا جانشین تجویز کر دیا تھا لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ حضورﷺ نے جو ہم دونوں سے بدر جہا بہتر تھے کسی کو خلیفہ مقرر نہیں کیا تھا۔ تم چلے جاؤ اللہ اپنے دین کی خود حفاظت کرے گا۔ اسے برباد نہیں ہونے دے گا۔''

تاہم جب صحابہؓ کی طرف سے زیادہ اصرار ہوا تو آپؓ نے چھ آدمیوں یعنی عبدالرحمٰن بن عوفؓ، عثمانؓ، علیؓ، زبیرؓ، سعدؓ، طلحہؓ پر مشتمل ایک ادارہ قائم کر دیا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ میری رائے میں ان چھ آدمیوں سے زیادہ کوئی اور شخص موزوں اور اہل نہیں۔ مزید مطالبہ پر کہا کہ مشورہ کے لئے میرے بیٹے عبداللہؓ کو شریک کر سکتے ہو' تاہم خلافت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ اگر سعد بن ابی وقاصؓ کو خلافت مل گئی تو بہت اچھا ہوگا ورنہ جو بھی خلیفہ ہو اسے چاہیے کہ اس کی مدد حاصل کر لیا کرے۔

یہ اصحابؓ جن میں سے ہر ایک کو خلافت کا حق دار ٹھہرایا گیا' حقیقت میں وقت کے اس موڑ پر امت کے گل ہائے سرسبد تھے۔ ان میں سے ہر ایک نہ صرف خلافت کے لئے مقرر کردہ قرآنی معیار پر پورا اترتا تھا بلکہ یہ چھ کے چھ عشرہ مبشرہ میں شامل ہونے کا اعزاز رکھتے تھے۔ دو اصحاب یعنی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ تو ویسے ہی فوت ہو چکے تھے۔ عشرہ مبشرہ میں شامل تیسرے حضرت عمرؓ خود تھے۔ بالفاظِ دیگر عشرۂ مبشرہ میں سے سات اصحابؓ ایسے تھے جو اس وقت زندہ تھے۔ چھ کا نام تجویز کیا گیا۔ ساتویں حضرت سعیدؓ تھے جن کا نام حضرت عمرؓ نے قصداً تجویز نہ کیا کیوں کہ وہ آپؓ کے بہنوئی تھے۔ چھ افراد کی اس کمیٹی نے خلیفہ چننے کا اختیار حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ کے سپرد کر دیا کیونکہ انہوں نے خود اس امانت دارانہ منصب کی ذمہ داریاں اٹھانے سے معذرت کر لی تھی۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اہلِ مدینہ کے ساتھ طویل مشورے کئے۔ لوگ تین رات تک ان کے ہاں مشورہ دینے کے لئے آتے رہے۔ بالآخر آپ اس نتیجے پر پہنچے کہ مدینہ کے لوگ حضرت عثمانؓ کو بطورِ خلیفہ پسند کرتے ہیں' چنانچہ منادی کرا دی کہ ان کی بیعت کر لی

جائے۔ تجویز کردہ باقی پانچوں اصحابؓ اور مدینہ کے دوسرے اہل الرائے لوگوں نے ان کی بیعت کر لی مہاجرین وانصار اور دوسرے اہلِ حل وعقد جو اس وقت بغرض حج اطراف واکناف سے آئے تھے، نے بھی حضرت عثمانؓ سے بیعت کی۔ تاہم اگر یہ کہا جائے کہ اسلامی مملکت کے ہر فرد نے بنفسِ نفیس آپ سے بیعت کی یا بالفاظِ دیگر ''ایک فرد ایک ووٹ'' کا طریقِ انتخاب اپنایا گیا تو ایسا کرنا ضروری ہی نہ سمجھا گیا تاہم جو طریقِ انتخاب اپنایا گیا وہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ امت کا فرض ہے کہ تمام اغراض سے بلند ہو کر خلیفہ کے لئے ایسے شخص کا انتخاب کرے جو تمام امت میں اصلح یعنی وقت کے اس موڑ پر سب سے افضل ہو۔

خلیفۂ چہارم کے چناؤ یا شہادتِ عثمانؓ کے وقت امت کا شیرازۂ افکار ویسے ہی درہم برہم تھا۔ جن لوگوں نے انہیں شہید کیا تھا وہ معمولی درجہ کے لوگ تھے لیکن واقعہ غیر معمولی تھا۔ مدینہ میں خوف ودہشت کی فضا تھی، پوری اسلامی دنیا صورتِ حال کی رفتار سے بے چین تھی۔ کئی اصحابؓ معمول کے کاموں کی غرض سے باہر گئے ہوئے تھے۔ تاہم جو موجود تھے ان کے سامنے سب سے بڑی مصلحت یہی تھی کہ خلیفہ کا چناؤ جلد از جلد ہو جائے کیونکہ ایسے نازک موقعہ پر منصبِ خلافت کا خالی رہنا مزید تشویش کا باعث بن سکتا تھا۔ پھر جن اصحابؓ کے نام زیرِ تجویز تھے وہ اس کے لئے تیار نہ تھے۔ حضرت علیؓ سے کئی بار کہا گیا لیکن آپ نے بار بار انکار کیا۔ آخری مرتبہ کوشش کی گئی تو خانہ نشین ہو گئے اور دروازہ بند کر لیا۔ جب عوام حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے ساتھ آئے اور برملا کہا کہ آپ کے علاوہ اس وقت کوئی دوسرا نظامِ خلافت چلانے کا اہل نہیں تو تیار ہو گئے لیکن فرمایا کہ مسجد نبوی میں بیعت کو منعقد کیا جائے۔

حضرت علیؓ نے اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کے لئے کسی کو تجویز نہ کیا۔ لوگوں نے جب آپ کے بڑے بیٹے حضرت حسنؓ کو خلیفہ بنانے کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ نہ میں تم کو اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ اس سے روکتا ہوں۔ ایک اور سوال کیا گیا کہ آپؓ اپنا ولی عہد کیوں مقرر نہیں کر دیتے؟ فرمایا: ''میں مسلمانوں کو اسی حالت میں چھوڑتا ہوں جس پر رسول اللہ ﷺ نے چھوڑا

تھا۔''

دیکھا جائے تو انتخابِ امیر بھی ایک مشاورتی نوعیت کا کام ہے اور مشاورت کام ہی اہل الرائے اور اربابِ حل وعقد کا ہے۔ یہی وہ بات ہے جو رسول اللہ ﷺ نے ہوازن کے قیدیوں کی رہائی کے موقع پر کی۔ ملاحظہ ہو:

'' مسلمانوں نے حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق جب ہوازن کے قیدی رہا کرنے کی اجازت دی تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں نہیں جان سکا کہ تم میں سے کس نے اجازت دی ہے اور کس نے نہیں دی۔ پس تم جاؤ اور اپنے لیڈروں کو بھیجو تا کہ وہ اپنی رائے سے ہمیں آگاہ کریں۔'' (کتاب الاحکام)

''ایک ووٹ ایک فرد'' کے اصول کی تو بات ہی درکنار امارت اور انعقاد امارت میں اسلام عورتوں کی شرکت کو تو سرے سے اہمیت نہیں دیتا۔ بظاہر ایسا کرنا حق تلفی معلوم ہوتا ہے لیکن ذرا گہرائی میں دیکھا جائے تو ایسا کرنا نہ صرف ضروری بلکہ عورت کی فطرت کے عین مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کی سرشت میں فعل سے زیادہ انفعال' کسر سے زیادہ انکسار' اور تاثیر سے زیادہ تاثر کا غلبہ ودیعت کیا ہے۔ یہ اوصاف جہاں گھریلو زندگی اور بال بچے کی پرورش کے لئے از بس ضروری ہیں' میدانِ سیاست میں کھوٹے سکوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان اوصاف کی موجودگی میں اگر وہ حق رائے دہی استعمال کرے بھی تو وہ اکثر و بیشتر باپ' خاوند اور بھائی کی آراء کا اظہار ہوگا جن سے متاثر ہوئے بغیر وہ نہیں رہ سکتی۔ پھر رائے دینے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان لوگوں کو اگر براہِ راست نہ بھی جانے جو تجویز کردہ احباب کی فہرست میں شامل ہوں تو کم از کم لوگوں میں گھوم پھر کر ان کی سیرت' نظریات اور خدمات وغیرہ سے بخوبی آگاہ ہو۔ تا کہ رائے کی تشکیل صحیح طور پر ہو سکے۔ ظاہر ہے ایسا کرنا مسلمان عورت کے دائرہ عمل سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ ہاں ان معاشروں میں جہاں عورت کو چراغِ خانہ کی بجائے شمع محفل کی حیثیت دے دی ہے' اسے حق رائے دہی تو دے دیا گیا لیکن باقی سب کچھ حتیٰ کہ اسے اپنی

سب سے بڑی خوبی یعنی نسوانیت سے بھی محروم کر دیا گیا ہے۔ نیز اس قوم کو تباہی سے کوئی نہیں بچا سکتا جو عورت کے انعقادِ امارت کے لئے رائے دہی تو کیا' اسے امیر ہی بنا دے۔ ارشادِ رسالتمآب ﷺ ہے:

''وہ قوم کبھی فلاح نہ پائے گی جو اپنی سیاست کی زمام کسی عورت کے حوالے کر دے''

(بخاری' باب الفتن)

خلیفہ سربراہِ مملکت بھی اور خطیب و امام بھی:

دورِ نبوت کے متعلق تو یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں مسجدِ نبوی میں امامت کسی اور نے کی ہو۔ خلفاءِ راشدین کے ادوار میں بھی اسلامی آئین کی اس شق پر من و عن عمل ہوتا رہا۔ امامتِ صغریٰ یعنی دارالحکومت کی مرکزی مسجد کی امامت و خطابت کے لئے اس ہستی کو موزوں تر سمجھا گیا جو وقت کے اس موڑ پر امامتِ کبریٰ یعنی سربراہِ مملکت پر متمکن تھی۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے دین محض ایک تھیوری اور ایک نظریہ ہے جب تک کہ اسے ایک نظام کے طور پر برپا اور قائم نہ کر دیا جائے۔ قرآن و سنت پر مبنی ایسا دین اسی وقت قائم ہوگا جب امامتِ صغریٰ اور امامتِ کبریٰ دونوں بالفعل متمکن ہوں اور جب بھی یہ صورت حال ہوگی اسی کو اسلام کی اصطلاح میں خلافت یا نیابتی نظامِ حکومت کہا جاتا ہے۔

درج ذیل حدیث سے مقامِ اطاعتِ امیر کا پتہ چلتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص اپنا ہاتھ نکال لے اطاعت سے وہ قیامت کے دن اللہ سے ملے گا اور کوئی دلیل اس کے پاس نہ ہوگی اور جو شخص مر جاوے اور کسی سے اس نے بیعت نہ کی تو اس کی موت جاہلیت کی سی ہوگی۔'' (مسلم۔ کتاب الامارہ)

تاہم ایک حد پر جا کر حاکموں کے خلاف تلوار اٹھانے کو کہا۔ ارشادِ رسالتمآب ﷺ ہے:

''بہتر حاکم تمہارے وہ ہیں جن کو تم چاہتے ہو اور وہ تم کو چاہتے ہیں۔ وہ تمہارے لئے

دعا کرتے ہیں اورتم ان کے لئے دعا کرتے ہواور برے حاکم تمہارے وہ ہیں جن کےتم دشمن ہو اوروہ تمہارے دشمن ہیں۔تم ان پرلعنت کرتے ہواوروہ تم پرلعنت کرتے ہیں۔لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ہم ایسے بُرے حاکموں کوتلوار سے دفع نہ کریں‘ آپ ﷺ نے فرمایانہیں جب تک وہ نمازکوتم میں قائم کرتے رہیں اور جب تم کوئی بری بات اپنے حاکموں سے دیکھوتو دل سے اس کوبراجانولیکن ان کی اطاعت سے باہرنہ ہو۔‘‘(مسلم۔کتاب الامارہ)

یعنی وہ حد جہاں پرحاکموں کے خلاف بغاوت کی جاسکتی ہے یہ ہے کہ جب تک وہ نماز کوتم پرقائم کرتے رہیں۔حدیث کےاصل الفاظ ہیں" **ماقاموا فیکم الصلوٰۃ**". یادرہے یہ نمازمسلمانوں میں قائم کرنا ان کے ساتھ محض نماز پڑھنانہیں بلکہ یہ بھی امامتِ صغریٰ کا فریضہ ادا کرتے ہوئے نماز کا قائم کرنا ہے۔ بالفاظِ دیگر اگر حکمران خود امامت وخطابت سے روگردانی کرجائیں توارشادِ ہادیٔ برحق ﷺ کے مطابق ان کے خلاف تلواراٹھانا تک واجب بن جاتا ہے اوراسی صورت میں ان سے بغاوت کی جانی چاہیے۔

امرھم شوریٰ بینھم :

اسلام ایک شورائی نظام ہے۔جس طرح خلیفہ خود بیعتِ خلافت پرمتمکن نہیں ہوسکتا اسی طرح وہ امورِمملکت بھی شوریٰ سے صلاح ومشورہ کئے بغیرسرانجام نہیں دے سکتا۔یعنی ایک طرف وہ اگرقرآن وسنت کا پابند ہےتو دوسری طرف واضح شرعی نص کی عدم موجودگی میں یاکسی شرعی نص کی تشریح ووضاحت کے لئے شوریٰ کاپابند ہے۔وہ روزمرہ کےامورجن کے لئے پہلے سے ہدایات موجودہوں یامعمول کےمعاملات(Routine type of works)تو ازخود چلاسکتا ہےلیکن پالیسی اورغیرمعمولی نوعیت کےامورمیں کلیۃً شوریٰ کاپابندہوتاہے‘ایسے معاملات اسلام‘اس اکیلے کی صوابدید پرنہیں چھوڑتا۔

یادرہے پیغمبروں کے لئے بھی مشورہ لیناضروری قراردیا گیا ہے۔البتہ پیغمبراورعام خلیفہ میں مشورہ لینے میں ایک بنیادی فرق ہے۔پیغمبرچونکہ مامورمن اللہ ہوتا ہےاورہرآن ربطِ وحی

کا حامل ہوتا ہے لہٰذا اس کے لئے مشورہ لے کے مشورہ کا پابند ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس کے برعکس خلیفہ کو شوریٰ کی اکثریت کے مشورے کا پابند کر دیا گیا ہے۔ اس نقطہ کی مزید وضاحت درج ذیل ہے:

مشہور واقعہ صلح حدیبیہ کے موقع پر تمام صحابہؓ کی رائے رسول اللہ ﷺ کی رائے سے مختلف تھی۔ تاہم اللہ کے پیغمبر کا ربط چونکہ ربِ کائنات سے تھا لہٰذا انہوں نے وہی کیا جو اپنی رائے تھی گو بعد میں وقت نے ثابت بھی کر دیا کہ ان کی رائے ہی صحیح تھی۔ انہوں نے دوسروں کی رائے کو درخور اعتناء نہ سمجھا اس لئے کہ اللہ کے فرمان " **وشاورھم فی الامر** " کے مطابق ان کے لئے ایسا کرنے کی گنجائش (Option) تھی۔ یعنی انہیں مشورہ لینے کا پابند تو کیا گیا لیکن دوسروں کے مشورہ پر ضرور ہی عمل کرنے کا پابند نہیں کیا گیا' خواہ روئے زمین کے پورے انسان ہی مل کر ایسا مشورہ کیوں نہ دیں۔ تاہم اس موقع پر بھی جب قربانیاں کرنے اور سر منڈوانے کے موقع پر صحابہؓ نے آپ ﷺ کی سنی اَن سنی کر دی تو آپ ﷺ نے مزید قدم اٹھانے سے پہلے آیت مذکورہ پر یوں عمل کیا کہ مشورہ تو لیا لیکن صحابہؓ سے نہیں جو اس موڈ میں نہ تھے بلکہ اپنی زوجہ محترمہ سے۔ جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ چیدہ چیدہ امور میں خواتین سے مشورہ لینا بھی نہ صرف مطلوب بلکہ امورِ خانہ داری وغیرہ میں تو اَز بس ضروری ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ باوجود اس کے کہ آپ ﷺ کسی کے مشورے کے پابند نہ تھے' کئی مواقع پر آپ ﷺ نے اپنا فیصلہ تیاگ کر صحابہؓ کے مشورہ پر عمل کیا۔ غزوۂ احد میں تو کئی بار ایسا ہوا۔ بلکہ طبعی اور کھیتی باڑی وغیرہ کے امور میں تو آپ ﷺ نے صحابہؓ کو تلقین تک کی کہ وہ اپنے تجربے سے فائدہ اٹھایا کریں۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا خلیفہ کا معاملہ پیغمبر کے معاملہ سے یکسر مختلف ہے یعنی وہ صرف مشورہ لینے کا ہی نہیں اکثریت کے مشورہ پر عمل کرنے کا بھی پابند ہے۔ ظاہر ہے اگر وہ ایسے مشورے کا پابند نہ ہوتا تو مشورے کی روح ہی ختم ہو جاتی۔ کیونکہ مشورہ دینے والوں کو اگر یہ علم ہو

کہ ان کی سوچ بچار کے نتیجے میں حاصل شدہ رائے پر عمل درآمد ضروری نہیں تو اول تو وہ دل جمعی سے معاملے کی تہ تک ہی نہ جائیں گے۔ دوسرے ایسی صورت میں خلیفہ کی حیثیت بھی ایک ڈکٹیٹر کی ہوجائے گی جو خود اسلامی روح کے خلاف ہے۔ اسلام میں تو شوریٰ کی اکثریت کا فیصلہ اس قدر وزن رکھتا ہے کہ خلیفہ تک کو منصب سے چلتا کرسکتا ہے۔ اس لئے خلفاء کے مشورہ لینے کے الفاظ جو قرآن نے بیان کیے ہیں وہ یوں ہیں کہ " **امرھم شوریٰ بینھم** " یعنی پالیسی امور کی سرانجام دہی ممکن ہی نہیں بغیر مشورہ کے۔ یعنی باہمی مشاورت سے طے شدہ فیصلہ پر ہی عمل ہوگا ورنہ نہیں۔ البتہ یہ ''طے شدہ فیصلہ'' متفقہ رائے سے طے ہوجائے تو خوب ورنہ اکثریت کا فیصلہ قابلِ پیروی ہوگا۔ اس نقطہ کو ہادیٔ برحق علیہ السلام نے ایک اور موقع پر یوں بیان فرمایا کہ میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی۔

ایک سوال' جس کا ذہن میں آنے کا امکان ہے' کی وضاحت ضروری ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مانعین زکوٰۃ اور لشکرِ اسامہؓ کے سلسلے میں اکثریت کے فیصلے کو درخورِ اعتناء کرتے ہوئے صرف اپنی رائے پر کیوں عمل کیا؟ اور اگر کیا تو کیا یہ " **امرھم شوریٰ بینھم** " کی نفی نہ تھی۔ اس سلسلہ میں یاد رہے کہ خلیفہ بھی مشورہ دینے والوں کی طرح اپنی بھی ایک رائے رکھتا ہے اور اگر ان تمام مشورہ دینے والوں بشمول خلیفہ کوئی قرآن وسنت سے کوئی استنباط لے آئے تو ظاہر ہے ایسے استنباط پر عمل کرنا ضروری اور فرض ہوجائے گا۔ خواہ قبل ازیں تمام رائے دہندگان مختلف نہج پر سوچ رکھتے ہوں۔ ایسا استنباط کرنے میں خلیفہ اور عام رکن شوریٰ میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ مذکورہ صورت میں بالکل ایسا ہی ہوا۔ یعنی دونوں معاملات میں حضرت ابو بکرؓ کا استنباط قرآن وسنت سے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان فیصلوں کو نہ صرف صحابہؓ نے بلکہ بعد میں آنے والے ہر امتی نے صائب وضروری تسلیم کیا۔

شورائی نظام کے بارے میں ایک اور بات جو جان لینی چاہیے وہ یہ ہے کہ مشورہ دینے کا تو ہر وہ مسلمان اہل ہے جس کا ذکر سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۱۱ میں ہوا اور جو یوں ہے:

فَاِنۡ تَابُوۡا وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَاِخۡوَانُکُمۡ فِی الدِّیۡنِ ؕ

''پس اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کرلیں اور زکوٰۃ دیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں''

تاہم ہر معاملے میں امت کا ہر بالغ فرد مشورہ یا رائے دینے کا پابند نہیں حتیٰ کہ یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر معاملہ میں منتخب نمائندوں یعنی شوریٰ کے ارکان کے مشورہ کی ضرورت ہو۔ خلیفہ اس کا بھی پابند نہیں کہ وہ صرف ارکانِ شوریٰ سے ہی مشورہ لے۔ اگر معاملہ ایسا ہو کہ ارکانِ شوریٰ سے ماوراء کسی ماہر یا ماہرین سے ماہرانہ ضرورت کے لئے مشورہ کی ضرورت پڑے تو ایسا کرنے میں قطعاً کوئی قدغن نہ ہوگی۔ مثال کے طور پر کسی خلیفہ کو اگر ایٹم بم یا کوئی مخصوص آئیٹم کی طاقت، ساخت اور نوعیت کے بارے میں مشورہ درکار ہو تو ضروری نہیں کہ وہ تمام ارکانِ شوریٰ کو اس معاملہ میں زحمت دے۔ وہ صرف ان ارکانِ شوریٰ سے جو متعلقہ فن میں مہارت رکھتے ہوں اور ان کے علاوہ شوریٰ سے باہر بھی ایسی مشاورت کرسکتا ہے کیونکہ مشورہ کا انجام کار مقصد تو صائب تر فیصلے پر پہنچنا ہی ہوتا ہے۔

یہی وہ بنیادی وجہ ہے کہ انتخابِ خلیفہ میں بھی پوری امت کے ہر ایک فرد کی شمولیت ضروری نہیں۔ اس مخصوص اور ماہرانہ کام میں بھی ہر فرد کو شامل کرنا ایسا ہی ہے جیسے ایٹم بم کی ساخت میں امت کے ہر فرد کو شامل کرنا۔ حقیقت میں انتخابِ خلیفہ بھی ایک ماہرانہ مہم (Specialized job) ہے اور اس کے لئے مشورہ انہی کا درکار ہوگا جو مسلمان ہونے کے علاوہ تقویٰ، صلاح، علم اور جسم کی صلاحیتوں سے مالا مال ہوں گے یا بالفاظِ دیگر شوریٰ کے ارکان ہوں گے کیونکہ اسلام میں شوریٰ کے ارکان ہو ہی سکتے ہیں وہ مسلمان جو ان اوصاف کے بدرجہ اتم مالک ہوں۔

اس حقیقت کو پھر ذہن میں لانا ضروری ہے کہ امت کا ہر فرد جو مذکورہ آیت (توبہ:۱۱) میں دی گئی شرائط پوری کر کے مشورہ دینے کا اہل تو ہو جاتا ہے لیکن کسی بھی مخصوص کام کے لئے ہر کس و ناکس کا مشورہ بہرحال درکار نہیں ہوگا۔ البتہ زیرِ بحث معاملہ کی نوعیت پر موقوف ہوگا کہ کون

اس مخصوص معاملہ کی صلاحیت رکھتا ہے اور کس کس کو مشورہ میں شامل کیا جانا چاہیے۔ اس بات کو سورۃ الحجرات کی درج ذیل آیات سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ....اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَo (الحجرات:14:15)

''یہ بدوی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ ان سے کہو کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم مسلم ہوگئے اور ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ حقیقت میں تو مومن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے۔ پھر انہوں نے کوئی شک نہ کیا اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ وہی سچے لوگ ہیں۔''

یعنی فرمایا گیا کہ مسلمان تو تم سب ہو جب اسلام میں داخل ہوگئے۔ لیکن یہ بھی جانے رہیں کہ تمہارا محض مسلمان ہو جانا تمہیں مومن کہلانے کا حق دار قرار نہیں دیتا۔ مومن ہونے کے لئے تو تمہیں اللہ اور رسول پر غیر متزلزل یقین کا حامل ہو کر اللہ کے راستے میں تن من دھن لگا کر اپنی مسلمانی کے دعوے کو ثابت کرنا ہوگا۔ بعینہٖ محض مسلمان ہونے سے اسلامی جماعت کا ہر فرد شوریٰ میں شامل ہونے کا مستحق قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ اس کے لئے مزید تقویٰ، صلاح اور علم اور جسم کی صلاحیتیں درکار ہیں۔

سیاسی جماعتیں

اسلام میں حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف کا وہ وجود و تصور نہیں ہے جو موجودہ سیکولر حکومتوں میں پایا جاتا ہے۔ خلافت میں حزبِ اقتدار تو امورِ مملکت کے نگہبان ہوتے ہوئے ایسا کہلاتے ہی ہیں لیکن حزبِ اختلاف تمام امت ہوتی ہے حتیٰ کہ ایک بڑھیا بھی خلیفۂ وقت کا دامن

پکڑ کر احتساب کر سکتی ہے۔ اسی طرح اس نوع کی سیاسی پارٹیوں کی بھی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں جو موجودہ سیکولر ریاستوں میں پائی جاتی ہیں۔ تقسیم کار کے سلسلے میں مختلف حلقہ ہائے کار، مختلف مکاتیبِ فکر، جان پہچان کی خاطر مختلف ناموں والے خاندان وقبائل، ایسی حلقہ سازیاں جو اصلاحِ امت، تعلیم وتربیت، تزکیہ وفکر وعمل، خدمت وتعاون یا کسی بھی دوسرے تعمیری مقصد کے لئے بنائی جائیں اور جو کارِ خلافت میں ممد ومعاون ہوں، کا ہونا نہ صرف درکار بلکہ خلافت کا جزو ہیں۔

عہدِ دورِ نبوت میں نہ صرف شعوب وقبائل کا بالفعل وجود تھا بلکہ دو بڑے گروہ یعنی مہاجر وانصار تو خلافت کے دوستون بلکہ خود خلافت تھے۔ ان دونوں گروہوں نے باہم شیر وشکر ہو کر اخوت، محبت کی وہ مثالیں قائم کیں جو تاریخِ عالم میں نہ پہلے دیکھی گئیں اور شاید چشمِ فلک تا قیامت بھی وہ مناظر دیکھنے سے قاصر رہے۔ دراصل فیصلہ کُن عنصر (Deciding factor) کہ جماعتوں کا وجود خلافت میں جائز ہے یا نہیں عصبیت کی نوعیت پر منحصر ہے۔ اگر تو نوعیت عصبیتِ عارفانہ ہے تو جماعتوں، تنظیموں اور اداروں کا وجود باعثِ رحمت اور خلافت کا عین جزو ہے۔ لیکن اگر تقسیم کی بنیاد عصبیتِ جاہلانہ ہے تو ایسی جماعت اور گروہ سازی کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔ عصبیتِ عارفانہ کی بنیاد پر بنی ہوئی جماعتیں اور حلقہ جات تو خلافت کا ہی کام کریں گی جبکہ عصبیتِ جاہلانہ کے مطابق بنی ہوئی گروہ بندیاں ماسوائے تخریبی کاروائیوں کے دھیلے کا کوئی کام نہ کر سکیں گی۔ پھر عصبیتِ عارفانہ سے بنی ہوئی جماعتوں کی نمایاں نشانی یہ ہوگی کہ وہ اپنے کسی فرد کی بہر حال پشت پناہی نہیں کرے گی خواہ وہ غلط موقف کا موید ہو۔ اس کے جملہ ارکان کا معیار سوائے حق کے کچھ نہیں ہوگا۔ یعنی پیروی حق ہی کی ہوگی خواہ وہ مخالف کیمپ سے ہی ہوں۔ اس کے مقابلے میں عصبیتِ جاہلانہ یہ ہے کہ ہر پارٹی اپنی پارٹی والوں کے عیوب کو تو چھپائے لیکن مخالف پارٹی کی خوبیوں کو بھی عیوب پر محمول کرے۔ ایسی گروہ بندیوں کی اسلام میں کسی درجے اجازت نہیں۔ مختصراً خلافت ایک کل ہے، جماعتیں، ادارے، حلقے وغیرہ سب اس کل کے حصے اور

مدد ومعاون کا جو اصول کارفرما ہوگا وہ یہ کہ:

''جو کام نیکی اور اللہ ترسی کے ہیں ان میں سب سے تعاون کرو اور جو گناہ اور زیادتی کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو۔''

تا کہ کارِ خلافت بطریقِ احسن چلتا رہے۔ سڑک پر لگے ٹریفک کے نشانات ایک طرح سے ٹریفک میں حائل تو ہوتے ہیں لیکن انجام کار ٹریفک ہی کی بہتری اور بالآخر کامیابی کا موجب ہوتے ہیں۔

حاصل کلام

پیشتر اس کے کہ ہم اگلے موضوع کی طرف بڑھیں، بہتر ہوگا کہ جو کچھ خلافت کی نوعیت وحقیقت کے متعلق اوپر کہا گیا ہے اس کا ایک دفعہ مختصراً اعادہ کر لیں۔

۱۔ تمام پیغمبروں کی جدوجہد کا بالا نجام ہدف اس دنیا میں اقامتِ دین یا قیامِ خلافت رہا ہے۔ ایسے نظام کو مختلف اصلاحات مثلاً دینی حکومت، فطری نظامِ حیات، اللہ کا دیا ہوا انسانوں کے لئے نظامِ حیات، قرآنی نظامِ ربوبیت، اقامتِ مومنین، امارتِ عظمیٰ، امامتِ عامہ، ریاستِ عامہ، کفالتِ عامہ وغیرہ سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔

۲۔ نظامِ فطرت یعنی ایسا نظام جس میں اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے قوانین جاری وساری ہوں، مقصودِ فطرت ہے۔ اسلامی حکومت کی غایت ثواب الدنیا ہے یعنی وہ فطری حالت جس پر انسان پیدا ہوا تھا (الروم: ۳۰)

۳۔ ایسا فطری نظام دنیا کے جس حصے میں بھی بالفعل موجود ہوگا وہ حصہ ان برکات و سعادت سے مستفید ہوگا جو اس نظام کا لازمی نتیجہ ہیں۔

۴۔ پوری اسلامی دنیا، خواہ اس کا دائرہ عمل پوری روئے زمین پر پھیل جائے، ایک ہی سربراہ ہوگا جو مختلف القابات بمثل خلیفہ، خلیفۃ المسلمین، امیر المومنین وغیرہ سے یاد کیا جائے گا۔

۵۔ اسلامی مملکت ناقابلِ تقسیم وحدانی حکومت ہوتی ہے جس کے صوبے اور انتظامی یونٹ

تو اَن گنت ہوسکتے ہیں' خودمختار ممالک ہونا بعید از قیاس۔ بالفاظِ دیگر اسلامی دنیا کو ملکوں' قوموں' اور نسلوں میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔ تمام مسلمان ایک ہی وحدت یعنی ''امتِ واحدہ'' کے افراد ہیں علیحدہ علیحدہ حکومتیں قائم کرنے کے مجاز نہیں۔ جس طرح سیکولر نظاموں میں ایک بادشاہ کی بادشاہی کسی ایک مملکت یا مملکتوں کے ایک مجموعے پر حاوی ہوتی ہے' اسی طرح خلافت کا دائرہ مملکت ارض (Earth) ہے۔

۶۔ ایک خلیفہ کی زندگی میں کسی دوسرے خلیفہ یا ولی عہد کی بیعت نہیں ہوسکتی۔ ولی عہد کی رسم سے اہل الارض کو کسی ایک شخص کی خواہش پر قربان نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ کو یہ سخت ناپسند ہے کہ ایک امیر کی سمع واطاعت میں کسی دوسرے کی ذرہ برابر بھی مداخلت یا آمیزش ہو۔

۷۔ ترجیحاً رحلت کر جانے والے خلیفہ کی تجہیز وتدفین کے تین دن کے اندر اندر نئے خلیفہ کا انتخاب کرلیا جائے گا۔

۸۔ خلافت یا کسی بھی دوسرے امانت دارانہ عہدے کے لئے کوئی اپنے آپ کو بطورِ امیدوار پیش نہیں کرسکتا۔ جوڑ توڑ کی سیاست کا سوال ہی نہیں۔ اقتدار سے رائے کا حصول نہیں بلکہ مشورے سے اقتدار کا اصول کارفرما ہے۔

۹۔ تمکن فی الارض کی صورت میں خلافت کی حامل وہ پوری سوسائٹی یا معاشرہ ہوتا ہے جو صالحین پر مشتمل ہو۔ البتہ ایسی سوسائٹی کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اپنے میں سے ایسے شخص کو خلیفہ چنے جو اصلح یعنی وقت کے اس موڑ پر سب سے زیادہ اہل ہو۔ اہلیت کے لئے قرآن کریم تقویٰ' صلاح' علم اور جسم جیسی خوبیوں کو لازمی قرار دیتا ہے۔ ہر ایرے غیرے کو خلافت کے عالی مرتبت مقام پر متمکن نہیں کیا جاسکتا۔ ظاہر ہے پیغمبر کی موجودگی میں تو وہی خلیفہ بھی ہوتا۔

۱۰۔ خلیفہ کا چناؤ ''ایک فرد ایک ووٹ'' کی بنیاد پر نہیں ہوسکتا کیونکہ اگر اس لئے ہو تو قرآنی معیارِ اہلیت کی شرط پوری ہی نہیں ہوسکتی کیونکہ دنیا میں اکثر و بیشتر اکثریت ان لوگوں کی ہوتی ہے جو دین کے تقاضوں سے ناآشنا ہوتے ہیں۔ اصطلاحی طور پر یہ فیصلہ سوادِ اعظم کے رحم وکرم پر نہیں

چھوڑا جاسکتا۔ یہ کام اربابِ حل وعقد کا ہے کہ وہ اسلامی مملکت کی معروف شخصیتوں میں سے احسن تر کو منتخب کریں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کیا جاسکتا ہے کہ ایسے محدود دنیا بتی طریقے میں اجماعِ امت کے آثار ضرور موجود ہوتے ہیں۔

۱۱۔ خلیفۂ وقت کا امامتِ کبریٰ (مملکت کے انتظامی امور کا سربرہ) اور امامتِ صغریٰ (نظام صلوٰۃ کا امام وخطیب) کا حامل ہونا لازمی ہے۔ بالفاظِ دیگر سیاسی اور مذہبی قیادت ایک ہی شخصیت میں مجتمع ہوگی۔ تمام صوبوں میں گورنر یا وزرائے اعلیٰ اور اسی طرح نچلی سطحوں پر نچلے درجے کے اہلِ حل وعقد ہر دو دائرہ ہائے کار کے سربراہ ہوں گے۔ خلیفہ کے لئے فوجوں کا سپریم کمانڈر اور قاضی القضاء ہونا بھی لازمی ہے۔

۱۲۔ امورِ سلطنت قرآن وسنت اور شوریٰ کی شمولیت سے سرانجام دینے ہوتے ہیں۔ شوریٰ کا ہر رکن مساوی حقوق اور آزادئ رائے سے مستفید ہوتا ہے۔ اختلاف کی صورت میں کوئی بھی فیصلہ کثرتِ آراء سے کرنا ضروری ہے۔ خلیفہ کو ویٹو وغیرہ کا کوئی حق نہیں۔ معروف معنی میں شوریٰ کوئی قانون سازی نہیں کرسکتی البتہ قرآن وسنت کی تشریح وتوضیح کی کلیۃً مجاز ہے۔

۱۳۔ اسلام میں سیکولر نظاموں کی طرح حزبِ اقتدار اور حزبِ مخالف کا کوئی وجود نہیں۔ اہلِ متمکن تو حزبِ اقتدار ہوتے ہی ہیں البتہ باقی پوری امت حزبِ اختلاف۔ تعاون یا عدم تعاون کی بنیاد نیکی ہوگی نہ کہ گروہی تقسیم۔

۱۴۔ معروف سیاسی جماعتوں کا کوئی وجود نہیں کہ جن کو اپنی برائیاں بھی خوبیاں نظر آتی ہیں اور دوسری جماعتوں کی خوبیاں بھی برائیاں۔ جماعتیں ہوں یا کسی اور قسم کی باہمی ومشترکہ تگ ودوٗ مقصود خلافت کا ممد ومعاون ہونا ہوتا ہے۔ تاکہ خلافت اپنے فرائض احسن ترین لائنوں پر رواں دواں رکھ سکے۔ خلیفۂ وقت مخصوص ارکانِ شوریٰ کے علاوہ دیگر اداروں' ماہرین' حلقہ ہائے سوچ و بچار مکاتیبِ فکر وغیرہ کی آراء سے مستفید ہوسکتا ہے۔ روح حلیفانہ اور معاونت کی کارفرما ہوگی' حریفانہ اور ذاتی مفاد پرستی کی نہیں۔

مزید تحقیق

اسلامی لٹریچر میں خلیفہ و خلافت کی نوعیت و حقیقت کے بارے میں جو مزید ہدایات ملتی ہیں ان میں سے بعض برائے استفادہ درج ذیل کی جاتی ہیں:

۱۔ مشہور حدیث کہ ''**من مات و لیس فی عنقہ بیعہ مات میتہ جاھلیہ**''، یعنی جو اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں امامتِ وقت یا خلیفۃ المسلمین کی بیعت نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرا' کا مطلب یہ ہے کہ خلیفۃ المسلمین ہر وقت موجود ہو۔ مطلب یہ نہیں کہ ہر مسلمان خود بالفعل اس کی بیعت کرے۔ گویا یہ حدیث خلیفہ کے نصب کو واجب دینے کی دلیل ہے' اس میں فعلی طور پر ہر فرد کے لئے وجوبِ بیعت کی کوئی دلیل نہیں۔

۲۔ صحابہؓ نے اقامتِ خلافت پر جس زور دار طریقے سے اجماع اختیار کیا اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آنحضورﷺ کی وفات کے بعد آپ کی تجہیز و تکفین کی بہ نسبت اقامتِ خلیفہ کو زیادہ قابلِ ترجیح سمجھا گیا۔ حالانکہ میت کی تجہیز و تکفین بھی ایک اہم فرض ہے۔

۳۔ مجرد حکومت یا اقتدار اسلام کا مقصود نہیں۔ خلافت کا مقصود احکامِ شرعیہ کا نفاذ ہے۔ لہٰذا خلافت کا عدم وجود حرام ہے۔

۴۔ قیامِ خلافت کے لئے کوشش فرضِ کفایہ ہے۔ لیکن اگر بعض لوگ قیامِ خلافت کے لئے مطلوبہ جدوجہد تو کریں لیکن قیامِ خلافت میں کامیاب نہ ہوں سکیں تو یہ فریضہ تمام مسلمانوں پر اپنی اصل شکل میں برقرار رہتا ہے اور جب تک خلیفہ کے بغیر رہیں گے گناہگار

متصور ہوں گے۔اس لئے کہ اقامتِ دین تبھی ممکن ہے اگر تمام مسلمان جماعتوں' ان کے حاکموں' والیوں اور اماموں کو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے جھنڈے تلے جمع کیا جائے اور ایسا کرنا بدون خلافت ممکن نہیں۔

۵۔ انعقادِ بیعت ہوجانے کے بعد اولوالامر کو صحیح ماننا اور اطاعت کرنا امت پر فرض ہوجاتا ہے۔ یہ صحیح ماننا اور اطاعت کرنا بیعتِ اطاعت کہلاتی ہے۔یعنی انعقادِ بیعت اور اطاعتِ بیعت بالکل دو مختلف چیزیں ہیں۔ یاد رہے جب کہ انعقادِ بیعت کے لئے جبر درست نہیں' بیعتِ اطاعت کے لئے جبر کرنا یا اسے جبراً اور قہراً حاصل کرنا شرعی طور پر ناروا ہونے کی بجائے وجوب کی حیثیت رکھتا ہے۔

۶۔ کوئی شخص اس وقت تک خلیفہ نہیں بن سکتا جب تک کہ اسے امت خلیفہ نہ بنائے اور وہ خود خلیفہ بننے کو قبول نہ کرے۔

۷۔ شوریٰ یا نمائندگانِ امت کی بیعت کو بیعتِ انعقاد متصور کیا جائے گا اور بس ۔پوری امت کے ایک ایک فرد کو اس زحمت میں نہیں ڈالا جائے گا۔

۸۔ اگر کسی بھی خطے میں خلافت قائم ہوجائے تو اس خلیفہ کی خلافت کے جھنڈے تلے جمع ہوجانا تمام مسلمانوں پر فرض ہوگا۔اگر وہ ایسا نہ کریں تو عنداللہ گناہگار متصور ہوں گے اور ایسے میں خلیفہ کے لئے واجب ہوگا کہ وہ تمام مسلمانوں کو اپنی بیعت کی دعوت دے ۔اگر وہ انکار کردیں تو وہ باغی متصور ہوں گے اور خلیفہ کے لئے ان کے خلاف جنگ کرنا واجب ہوگا۔

۹۔ بیعت ہاتھ کے مصافحہ سے بھی ہوسکتی ہے اور تحریر کے ذریعہ بھی۔البتہ عورتوں کی بیعت ہاتھ میں ہاتھ دینے کی بجائے کپڑے کو دونوں طرف سے پکڑ کر یا پانی میں ہاتھ ڈبو کر

ہوگی۔ نیز عورتوں کی بیعت بیعت النساء ہوگی جس کا ذکر سورۃ الممتحنہ میں ہے' انعقادِ خلافت وغیرہ کے لئے نہیں۔

۱۰۔ آپ کے اس ارشادِ مبارک کا اطلاق کہ ''وہ قوم ہرگز کامیاب یا فلاح یافتہ نہیں ہوگی جس نے اپنا نظامِ حکومت ایک عورت کے سپرد کر دیا'' صرف حکومتی منصوبوں پر ہی ہوگا۔ باقی رہے وہ مناصب جو براہِ راست حکمرانی میں شمار نہیں ہوتے تو ان پر عورتوں کا تقرر کرنا اس حکم کے تحت نہیں آتا۔

۱۱۔ اگر ایک خلیفہ کی موجودگی میں دوسرے خلیفہ کی بیعت کی جاوے تو وہ شرعاً ناجائز اور قابلِ گرفت تو ہے ہی۔ لیکن اگر دو خلفاء کی بیک وقت بیعت کی جاوے تو یہ دونوں بھی لغو قرار پائیں گی۔

۱۲۔ آنحضورﷺ کے دستِ مبارک پر جو بیعت کی جاتی تھی وہ تصدیق نبوت و رسالت کے لئے نہ ہوتی تھی بلکہ آپ کے احکامات کی پیروی اور سمع واطاعت کا ایک عہد تھی۔ نبوت ورسالت کے اقرار کا نام تو ایمان ہے۔

۱۳۔ مجرد اربابِ حل وعقد کی بیعت سے خلیفہ نہیں بنتا بلکہ اسے جو چیز خلیفہ بناتی ہے وہ یہ ہے کہ اربابِ حل وعقد مسلمانوں کی اکثریت کے نمائندے اور ترجمان ہوں۔ بصورت دیگر وہ خود انعقادِ خلافت کے اہل نہیں رہتے۔

۱۴۔ اگر کسی وقت امت خلیفہ سے کسی امرِ شرعی کو ترک کرنے کا مطالبہ کرے تو خلیفہ پر واجب ہوگا کہ وہ ایسے مطالبے کو رد کرتے ہوئے امت پر جبراً وقہراً اس امرِ شرعی کا نفاذ کرے' خواہ اسے جنگ ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔ کیونکہ خلافت ہے ہی اقامتِ دین کا دوسرا نام تنفیذِ شریعت ہو رہی ہے تو خلافت ورنہ ملوکیت وبادشاہت۔

الحمدللہ رب العالمین

.....ڈاکٹر نجم الدین

یہ آیت مبارکہ سورۃ فاتحہ کی پہلی آیت ہے' یہ چار الفاظ پر مشتمل ہے۔ الحمداللہ' رب اور عالمین جس میں اللہ اور رب پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ: اللہ تو اللہ جل شانہ کا نام نامی اسم گرامی ہے۔ جو کہ اللہ رب العزت کی ذات گرامی قدر کے علاوہ نہ بولا جاتا ہے نہ بولا جا سکتا ہے۔ آیئے قرآن سے پوچھتے ہیں کہ اللہ رب العزت اپنے اسمِ مبارک کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔ اللہ فرماتے ہیں کہ:

(۱)۔ ''اگر آپ ان سے پوچھو کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے تو یہ ضرور کہیں گے اللہ نے تو پھر کہاں سے دھوکہ کھا رہے ہو''۔ (الزخرف:۸۷)

(۲)۔ ''اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے آسمانوں وزمین تخلیق کئے اور سورج و چاند کس نے مسخر کئے تو وہ ضرور کہیں گے اللہ نے تو پھر کہاں سے دھوکہ کھا رہے ہو''۔ (العنکبوت:۶۱)

(۳)۔ ''اے نبی ﷺ! آپ اعلان فرمادیں کہ بلاشبہ میری طرف وحی کی گئی ہے کہ درحقیقت تمہارے الٰہ (حاکم مطلق) ایک ہی ہیں تو پھر کیا تم تسلیم کرتے ہو''۔ (الانبیاء:۱۰۸)

(۴)۔ ''وہی ذات گرامی قدر آسمانوں میں ''الٰہ'' اور وہی زمین میں بھی ''الٰہ'' (حاکمِ مطلق) ہیں اور وہی حکمت ودانائی کا علم رکھتے ہیں''۔ (الزخرف:۸۴)

(۵)۔ ''ہمارے اور تمہارے ''الٰہ'' (حاکمِ مطلق) ایک ہی ہیں' ہم تو انہیں تسلیم کرتے ہیں''۔ (العنکبوت:۴۶)

(۶)۔ ''بلاشبہ میں ہی ''اللہ'' ہوں' میرے سوا کوئی ''الٰہ'' (حاکمِ مطلق) نہیں' لہٰذا میری ہی عبادت (حاکمیت' میرا دین قائم) کرو''۔(طٰہٰ:۱۴)

(۷)۔ مزید دیکھیں سورۃ اخلاص۔۔۔۔کہ آپ اعلان کر دیں۔۔۔اللہ رب العزت ''احد'' ایک ہیں

رب:

رب' اللہ رب العزت کا وہ اسمِ صفت ہے جو اللہ کے حاکمِ اعلیٰ ہونے کا مظہر ہے۔ جو کہ تمام عالمین اور انسانوں کے حاکم مطلق ہیں۔ جب کہ ''رب'' کا لفظ دنیا کے عام حکمرانوں و بادشاہوں کے لئے بھی بولا اور استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً عزیزِ مصر اور فرعون وغیرہ۔

ہم یہ آیت مبارکہ کیوں بار بار پڑھتے ہیں' اس کا مطلب و مقصد کیا ہے۔ آیئے قرآنِ مجید فرقانِ حمید ہی سے پوچھتے ہیں:

(۱)۔ ''فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا (کس رب کی بات کرتے ہو) میں ہی تو تمہارا رب اعلیٰ (حاکمِ اعلیٰ) ہوں''۔(النازعات:۲۴)۔

(۲)۔ ''موسیٰ علیہ الاسلام نے جواب دیا کہ ہمارے رب العزت (حاکم اعلیٰ) تو وہ ذاتِ گرامی قدر ہیں جنہوں نے ہر شے کو تخلیق بخشی پھر ہدایت و راہنمائی بھی دی (اپنے مقصدِ زندگی کی)''۔(طٰہٰ:۵۰)

(۳)۔ ''ابراہیم علیہ الاسلام نے نمرود کو جواب دیا کہ' بلکہ تمہارے رب العزت (حاکم اعلیٰ) تو وہ ہیں جو آسمانوں و زمین کے رب (حاکم اعلیٰ) ہیں اور جو ان کو پیدا کرنے والے ہیں اور میں اس پر تمہارے لئے گواہوں میں سے ہوں''۔(الانبیا:۵۶)

(۴)۔ ''وہ اللہ رب العزت ہی تمہارے رب العزت (حاکم اعلیٰ) ہیں' ان کے علاوہ کوئی ''الٰہ'' (حاکم مطلق) نہیں وہ ہر شے کے خالق ہیں لہٰذا ان ہی کی عبادت (حاکمیت' دین و خلافت قائم) کرو' یاد رکھو! وہ ہر شے کے وکیل (تمام کاموں کے کارساز) ہیں''۔(الانعام:۱۰۲)

(۵)۔ ''بلاشبہ تمہارے رب العزت (حاکم اعلیٰ) اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی قدر ہیں جنہوں نے چھ دنوں میں آسمانوں وزمین بنائے اور پھر عرشِ حکومت پر متمکن ہوئے اور تمام احکامات ومعاملات تدبر وحکمت سے چلا رہے ہیں' ان کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش نہیں کرسکتا (یا کرسکے گا) وہی اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی قدر ہی تمہارے رب العزت (حاکم اعلیٰ) ہیں لہٰذا ان کی ہی عبادت (حاکمیت' دین وخلافت قائم) کرو تو پھر کیا تم ہوش میں نہیں آؤ گے''۔ (یونس:۲)

(۶)۔ ''پھر اللہ رب العزت نے فرمایا۔۔اے نبی اکرم ﷺ! آپ لوگوں کو یاد دلائیں وہ وقت جب آپ کے رب العزت (حاکم اعلیٰ) نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی نسل (نسل انسانی) کو نکالا اور خود انہیں ان پر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا (عہد لیا تھا) کہ کیا میں تمہارا رب (حاکم اعلیٰ) نہیں ہوں؟ تو سب نے (بیک زبان ہوکر) کہا' کیوں نہیں آپ ہی ہمارے رب العزت (حاکم اعلیٰ) ہیں۔ہم اس پر گواہی دیتے ہیں یہ گواہی ہم نے اس لئے لی تھی کہ کہیں قیامت کے دن تم یہ نہ کہو کہ ہم (تو دنیا کی زندگی میں) بھول ہی گئے تھے کہ آپ ہمارے رب العزت (حاکم اعلیٰ) ہیں (دنیا میں اس سے بے خبر تھے) یا تم لوگ یہ نہ کہو کہ شرک (نظام باطل) تو ہمارے آباؤ اجداد کررہے تھے اور ہم (دنیا میں) بعد میں ان کی نسل سے پیدا ہوئے تھے۔پھر کیا آپ ہمیں ان باطل پرستوں کے کئے ہوئے فعل (جرم) میں ہلاک کرتے ہیں (سزا دیتے یا پکڑتے ہیں) دیکھو' اس طرح ہم اپنی آیات (احکامات) کو تفصیل سے بیان کررہے ہیں' تاکہ آپ لوگ اللہ رب العزت (نظامِ باطل سے نظامِ حق) کی طرف پلٹ آئیں''۔ (سورۃ الاعراف:۱۷۲تا۱۷۴)

(۷)۔ ''پھر اللہ رب العزت نے فرمایا۔۔یاد رکھو! جن لوگوں نے اپنے رب العزت (حاکم اعلیٰ کی حاکمیت' رٹ' دین وخلافت) کا انکار کیا ان کے لئے جہنم کا عذاب (تیار ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے''۔ (سورۃ الملک:۲)

اہم نکات

(۱)۔اللہ۔۔اللہ رب العزت کا نام نامی اسم گرامی کا مادہ ''الٰہ'' ہے جس کا مطلب و مقصد ہی حاکم مطلق ہے۔

(۲)۔ اللہ رب العزت ہی پوری کائنات (تمام مخلوق) اور انسان کے خالق' مالک' رازق اور حاکم مطلق ہیں۔

(۳)۔ رب (حاکم اعلیٰ) اللہ رب العزت کا اسم صفت ہے جن کی دنیا میں حاکمیت تسلیم کرنا اور قائم کرنا انسان کا مقصد زندگی ہے۔

(۴)۔ رب ایک ایسا لفظ ہے جو کہ عربی زبان میں ''حاکم'' اور بادشاہ کے لئے بولا جاتا ہے۔جیسا کہ سورۃ الکہف میں آیت نمبر 14 ور 15 اور سورۃ یوسف میں آیت نمبر ۴۱' ۴۶ اور ۵۰ وغیرہ میں۔

(۵)۔ اسی لئے اسلام کو قبول کرنے کے لئے ''لا الہ الا اللہ'' کا زبان سے اقرار کرنا لازم قرار دیا گیا ہے۔

(۶)۔ ''کیوں کہ الہ (حاکم مطلق)' رب (حاکم اعلیٰ)' معبود کہتے ہی اس کو ہیں جس کا حکم' قوانین' دین' نظام' معاشرے میں چلتا ہو (Rite is enforced)۔

(۷)۔''لہٰذا جس کا قانون' آئین' نظام' دین وغیرہ معاشرے' علاقے یا ملک میں چلتا ہو اسی کی عبادت کی جارہی ہوتی ہے۔اور وہی معبود' الٰہ' رب' حاکم اور بادشاہ کہلاتا ہے۔جیسے سورۃ یونس:۳' سورۃ الھود:۵۶' سورۃ الاعراف:۵۶' سورۃ الکھف:۱۵ اور سورۃ الانعام:۱۰۲ میں دیکھیں۔

(۸)۔ اللہ رب العزت کے علاوہ کسی اور کے دین' نظام' قانون' آئین جیسے کسی پارلیمنٹ' جمہوریت (اسلامی)' سوشلزم' لبرل ازم کو معاشرے یا ملک میں چلانا ہی شرک ہے' جیسے آج دنیا میں چل رہا ہے۔۔۔دوسرے الفاظ میں اللہ رب العزت کی حاکمیت کے علاوہ کسی اور کی

حاکمیت قائم کرنا ہی کفر اور شرک ہے جس کی سزا جہنم ہے۔ (سورۃ الکھف: ۱۵۔

(۹)۔ اللہ رب العزت کو ''الٰہ'' اور رب (حاکم اعلیٰ) تسلیم کرتے ہوئے اللہ رب العزت کی حاکمیت (دین وخلافت) کو گھر، معاشرے اور ملک میں چلانا ہی عبادت ہے اور اللہ رب العزت کا شکر ادا کرنا ہے۔ یعنی خلافت ہی عبادت ہے۔

(۱۰)۔ جو لوگ اللہ رب العزت کو ''الٰہ'' اور رب تسلیم کرتے ہوئے اللہ کی حاکمیت (دین وخلافت) کو قائم کرنے کوشش ومحنت کریں، اور صبر وثبات سے ثابت قدم رہیں تو فرشتے ان کی مدد کے لیے بھیجے جاتے ہیں۔ جیسے بدر وحنین میں آئے (سورۃ حم سجدہ)۔

(۱۱)۔ یہی وہ ''عہد الست بربکم'' تھا جو اللہ رب العزت نے تمام انسانوں (نسل انسانی) کو اکٹھا کر کے لیا تھا کہ تم نے مجھے اپنا ''رب'' (حاکم اعلیٰ) بنا کر دنیا میں رہنا ہے اور کسی اور کو رب نہیں بنانا۔ یعنی دین باطل، شرک یا انسانوں کا بنایا ہوا دین، آئین، قانون یا نظام (جیسے جمہوریت، آمریت، سوشلزم، کمیونزم وغیرہ) اگر چل رہا ہوگا تو اس میں شامل نہیں ہونا۔ تو ہم سب نے اللہ کے ''رب'' (حاکم اعلیٰ) ہونے کا عہد کیا تھا۔ دوسرے الفاظ میں ہم نے اللہ رب العزت کی حاکمیت (دین وخلافت) کو دنیا کی زندگی میں چلانے کا وعدہ کیا تھا۔ جسے محمد ﷺ نے عملاً دنیا میں (دین وخلافت کو) قائم کر کے ایک نمونہ دیا۔ جسے اسوۃ الحسنہ کہتے ہیں جس کے ہم پابند ہیں۔

(۱۲)۔ ہم ''الحمد للہ رب العالمین'' صلوٰۃ کی ہر رکعت میں پڑھ کر عہد ''الست بربکم'' کو تازہ کرتے ہیں اور یاد دہانی کرتے رہتے ہیں کہ ہم اس نظامِ باطل (دین باطل، شرک) میں شامل نہیں ہیں جو انسانوں نے دنیا میں چلا رکھے ہیں۔

۲۔ ہم اقرار کرتے ہیں کہ اللہ ہی ''الٰہ'' اور رب (حاکم اعلیٰ) ہیں۔ اس عہد کو یاد کروانے کے ہم اللہ رب العزت کے شکر گزار ہیں لہٰذا تمام تعریف وتوصیف صرف آپ کے لئے خاص کرتے ہیں۔ یعنی اے اللہ رب العزت ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ہمارے الٰہ اور رب ہیں اور آپ کے دیے ہوئے دین نظامِ اسلام کو قبول کرتے ہیں اور معاشرے میں چلنے والے دین باطل سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ **بلا انا من الشاھدین و شاکرین۔ وما انا من المشرکین۔**

ہماری دیگر تصانیف

نام کتاب	مصنف	قیمت
کتاب خلافت (پہلا ایڈیشن)	چودھری رحمت علی	50روپے
کتاب خلافت (دوسرا ایڈیشن)	چودھری رحمت علی	250روپے
جواز خلافت (اسلام انسانیت کا دین ہے)	چودھری رحمت علی	50روپے
خلافت ہمارے جملہ مسائل کا حل (کتابی شکل)	چودھری رحمت علی	50روپے
اسلام پر کیا گزری؟	چودھری رحمت علی	15روپے
شہادت علی الناس۔ ہمارا فرضِ منصبی	چودھری رحمت علی	20روپے
خلافت راشدہ	پروفیسر عبدالجبار شاکر	15روپے
عصرِ حاضر کے مسلمان اور اسلام	چودھری رحمت علی	20روپے
قرار دادِ مقاصد میں وائرس	مہندس محمد اکرم خان سوری	125روپے
انسانیت کا دین؟ جمہوریت یا خلافت	ڈاکٹر نجم الدین	50روپے
الہ العالمین اور انسان	ڈاکٹر نجم الدین	250روپے

نوٹ:۔ پورا سیٹ -/800 روپے میں مہیا کر دیا جائے گا۔ ڈاک خرچہ بذمہ ادارہ

"سبق پھر پڑھ" کی جلدیں

جلد پنجم	جنوری 2005 تا دسمبر 2006
جلد ششم	جنوری 2007 تا دسمبر 2008
جلد ہفتم	جنوری 2009 تا دسمبر 2010
جلد ہشتم	جنوری 2011 تا دسمبر 2012
جلد نہم	جنوری **2013** تا دسمبر **2014**
جلد دہم	جنوری **2015** تا دسمبر **2016**

قیمت فی جلد -/250 روپے
ڈاک خرچ بذمہ ادارہ

ملنے کا پتہ: دارُالسلام واپڈا ٹاؤن، لاہور۔ فون 0300 - 8425428

Cell: 0300 - 8425428
Phone: 042 - 35187003
Fax: 042 - 35187003

Monthly
SABAQ PHIR PARRH
Lahore

Regd: CPL No. 91
Web: www.azmateislam.com
Email: khalafat@hotmail.com

ریاستِ مدینہ

حکومتِ وقت کی آج ریاستِ مدینہ کی طرز کی ریاست مسلمانانِ پاکستان بلکہ مسلمانانِ عالم کیلئے ایسی خوش کن صدائے سکون ہے کہ جس کی ٹھنڈک فرشتے بھی محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اسی خواہش کو وہ روح بھی محسوس کرتے ہونگے جو اللہ کے ہاں چلے گئے اس لیے کہ پاکستان کا وجود ہی اس غرض کیلئے معرضِ وجود میں آیا تھا۔ دعویٰ یہ کیا گیا تھا کہ ایک ایسی اسلامی ریاست کو معرضِ وجود میں لایا جائے گا جو قرآن وسنت کے کام کو بطور نمونہ کا پتہ دے گی۔

شاید یہ حقیقت ہمارے ذہن میں نہیں سماتی کہ ایسی ریاست صرف ایک ہی صورت میں وجود پذیر ہوسکتی ہے کہ انسان ساختہ آئین جو ہمارے ہاں اس وقت ہے کی بجائے قرآن وسنت کو آئینِ مملکت بنایا جائے۔ دورِ نبوت میں بھی مدینہ میں ایسی ریاست کبھی معرضِ وجود میں نہ آتی اگر 73ء کی طرح کا انسان ساختہ آئین بروئے کار لایا جاتا۔ دراصل مدینہ طرز کی ریاست کا نام لینے سے پہلے یہ اعلان ہونا چاہیے تھا کہ ہمارے ہاں مملکتِ عزیز میں قرآن وسنت بلکہ قرآن ہی آئینِ مملکت ہوگا کیونکہ قرآن میں خود سنت شامل ہے۔ اور تو اور محمد علی جناحؒ سے جب آئینِ پاکستان کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ہمارے ہاں آئین چودہ سو سال پہلے کا یعنی قرآنِ مجید ہے۔ سخت غلطی پر ہے وہ جو ہمارے ہاں موجودہ یعنی اللہ ساختہ آئین کی بجائے انسان ساختہ آئین سے مدینہ کی سی ریاست قائم کرنے کی امید رکھے۔ قرآن وسنت کو آئینِ مملکت بنائے بغیر تا قیامت ایسا نہیں ہوسکتا۔ یہ سو بات کی ایک بات ہے۔ قرآن وسنت کو آئینِ مملکت بنائے بغیر مدینہ کی سی ریاست کو معرضِ وجود میں لانے کی خواہش ایسے ہی ہے جیسے کہ وضو کیے بغیر نماز کا ادا کرنا۔

الداعی الی الخیر:
تحریکِ عظمتِ اسلام
دارالسلام، واپڈا ٹاؤن، لاہور
فون: 0300-8425428, 0321-4114584